

مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی
مدرس جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک

قیامت خیز آفات و نوازل کے وقت ہمارا کردار و عمل

الم یٰۤاَنَ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ (الایہ)

کیا وقت نہیں آیا ایمان والوں کو گڑ گڑائیں ان کے دل اللہ کے یاد سے اور جو اترتا ہے سچا دین یعنی وقت آ گیا ہے کہ مومنین کے دل قرآن کریم اور اللہ کی یاد اور اس کے سچے دین کے سامنے جھک جائیں اور نرم ہو کر گڑ گڑانے لگیں۔

وطن عزیز اور مملکت خدا داد پاکستان آج کل ایک اور بہت بڑی آفت اور سیلاب بلا خیز سے دوچار ہے ابھی ہم ہزارہ آزاد کشمیر اور اس کے قرب و جوار میں ہولناک زلزلہ کی تباہ کاریوں پر ماتم کناں تھے کہ اچانک ملک پر ہر طرف سے سیلابوں اور دریاؤں میں طغیانوں کا دہشت انگیز اور مہیب سلسلہ شروع ہوا جس کے نتیجہ میں شہر اجڑ گئے۔ بستیاں ویران ہوئیں اور سینکڑوں کی تعداد میں دیہات صفحہ ہستی سے مٹ گئے۔ اور ایسے نیست و نابود ہو گئے۔ کسان لم تعن بالامس گویا یہاں پر سرے سے کوئی آبادی ہی نہ تھی۔

یہ دنیا تغیر پذیر ہے اس میں انقلابات آتے رہتے ہیں، کبھی آسمانی بلائیں آتی ہیں، کبھی زمینی آفتیں دلفنا نازل ہو جاتی ہیں، کبھی زلزلے آتے ہیں، کبھی بجلیاں گرتی ہیں، کبھی دھشت ناک تاریکیاں پھیل جاتی اس کی وجہ سے جاہلیاں بچیں۔ اور نہ صرف انسانی حیات بلکہ حیوانی زندگی شدید مشکلات اور مصائب و آلام سے دوچار ہوئی۔ حالیہ ملک گیر سیلاب اور قیامت خیز طوفان بھی اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ جس میں ہم جیسے غافلوں کے لئے تنبیہ اور الارم کا سامان موجود ہے۔

قرآن کریم میں طوفان نوح کا ذکر آیا ہے کہ کس طرح جب قوم نوح نے سرکشی اختیار کی اور بغاوت و طغیان اور نافرمانی پر اتر آئی تو وہ قوم سیلاب بلا کی نذر ہو گئی اور ان محدودے چند مومنین کے سوا باقی پوری قوم غرق آب ہو گئی۔ اسی طرح دوسری قومیں جب وہ بغاوت پر اتر آئیں۔ خدا اور رسول کی نافرمانی کی تو وہ قومیں مختلف النوع آفات سے صفحہ ہستی سے مٹ گئیں۔ ارشاد باری ہے۔

فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنْبِهِ فَمِنْهُمْ مَنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُمْ مَنْ أَغْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ

پھر سب کو پکڑا ہم نے اپنے اپنے گناہ پر پھر تھا کوئی کہ بھیجا ہم نے اس پر پھراؤ ہوا سے اور کوئی تھا کہ اس کو پکڑے چنگھاڑنے اور کوئی تھا کہ اس کو ہم نے دھنسا دیا زمین میں۔ اور کوئی تھا کہ اس کو ڈبا دیا ہم نے۔ اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے پر تھے وہ اپنا ہی برا کرتے۔

یعنی ان میں سے ہر ایک کو اپنے جرم کے موافق سزا دی گئی اس آیت کریمہ میں قوم لوط قوم عاد و ثمود قارون فرعون و ہامان اور قوم نوح کی ہلاکتوں کی طرف اشارہ ہے جن کی تفصیل قرآن کریم کی مختلف سورتوں اور آیتوں میں موجود ہے۔ یہ تو وہ قومیں ہیں جنہوں نے کفر اور شرک کا ارتکاب کیا اور علی الاعلان خدا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی پر اتر آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا عبرت ناک انجام ہمیں بتا دیا۔ مسلمانوں اور مؤمنوں پر بھی گا ہے بگا ہے ہلاکت خیز آفتیں اور مصیبتیں نازل ہوتی ہیں تاکہ ہم اللہ کی یاد سے غافل نہ رہیں اور ایسی سرکشیاں اور نافرمانیاں اختیار نہ کریں۔ جس سے سابقہ قومیں صفحہ ہستی سے نابود ہو گئیں۔

خود حضرت رسالتاً ﷺ کے زمانہ میں بھی جب اسی قسم کے مہیب احوال رونما ہو جاتے تو آپ بے قرار اور بے چین ہو جاتے۔ اور خوف و خشیت کی کیفیت آپ کے چہرہ انور سے عیاں ہو جاتی۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جب سورج کہن یا چاند کہن لگتا تو آپ کا رنگ مبارک متغیر ہو جاتا اور مسجد اور صلوٰۃ و نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ فرماتے ہیں: اذا رايتم شيئا من هذه الاهول فافزعوا الى الصلوة جب تم ان خوف کی باتوں میں سے کوئی چیز دیکھو تو گھبرا کر نماز کی طرف جاؤ۔ امام مسلم نے اس حدیث کو یوں ذکر فرمایا ہے۔ عن ابی موسیٰ قال خسفت الشمس في زمن النبي ﷺ قال ان هذه الايات التي يرسل الله لانه يكون لموت احد ولا لحياه ولكن الله يرسلها يخوف به عباده فاذا رايتم منها شيئا فافزعوا الى ذكره ودعائه واستغفار۔

اس حدیث میں ہے کہ اس قسم کے خوف کی چیز ہو تو دعا اور استغفار میں مشغول ہونا چاہیے اسی طرح حضرت ابو الدرداء سے روایت ہے کہ اگر کسی شب تیز ہوا چلتی تو آپ بے قرار ہو کر مسجد تشریف لے جاتے اور جب تک ہوا تھم نہ جاتی خدا کے حضور سجدہ ریز رہتے۔ سورج کہن یا چاند کہن لگتا تو جب تک کہن ختم نہ ہو جائے نماز میں مشغول رہتے۔ حضرت انسؓ کے زمانہ میں ایک دفعہ سخت تاریکی چھا گئی ایک صاحب خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کبھی حضور ﷺ کے زمانے میں بھی ایسی باتیں پیش آتی تھیں۔ حضرت انسؓ نے فرمایا۔ معاذ اللہ اس وقت اگر ہوا بھی تیز چلتی تو ہم لوگ قیامت کے خوف سے مسجد کی طرف دوڑ پڑتے سورج گرہن کے وقت تو نماز باجماعت حضور ﷺ سے ثابت ہے۔ البتہ چاند گرہن کے وقت یا دیگر خوفناک چیزوں اور دہشت انگیز آفتوں کے وقت تھا تھا نماز پڑھی جائے۔ چنانچہ مشہور فقیہ علامہ شرنبلالی فرماتے ہیں: گھبراہٹ اور خوف کے موقعہ پر تھا تھا نماز پڑھی جائے، گھبرا دینے والی چیزوں سے مراد زلزلے، بجلیوں کی کڑی مسلسل کڑک، تاروں کا ٹٹا، آفات میں تیز روشنی کا نمودار ہونا، ڈالہ باری مسلسل

بارشیں امراض کا پھیلنا اور دشمن کا سخت خوف وغیرہ ہیں۔ بندوں کو ڈرانے کے لئے ہیں تاکہ وہ گناہ چھوڑ دیں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمان برداری کا راستہ اختیار کریں جس میں ان کی کامیابی اور صلاح ہے اور بندہ کے لئے اپنے رب سے رجوع کرنے کی سب سے قریبی حالت نماز ہے۔

مگر مقام صد افسوس و حسرت ہے کہ ایسی آفات اور ایسے دہشت ناک مناظر کے موقع پر ہمارے دل نرم اور پلچ نہیں ہوتے بلکہ یہ درد انگیز اور محشر بداماں گھڑیاں بھی ہم اپنے لئے باعث تسکین دل سمجھتے ہیں۔ اور مصیبت زدوں، خانماں بربادوں اور بے یار و مددگار بیکسوں کی لاچار و بے بسی کا تماشا دیکھنے کے لئے جاتے ہیں ان کی تصویر کشی کرتے ہیں ان کی فلمیں اور ڈیوڈیو بناتے ہیں۔ فیہا للامس

ایسے دلدوز مناظر کے دیکھنے پر تو زمین کا سینہ بھی شق ہو جاتا ہے آسمان بھی خون کے آنسو روتا ہے۔ پوری کائنات پر ایک خوف طاری ہو جاتا ہے۔ افسوس اس سے زیادہ اور ہماری بے حسی اخلاقی پستی اور دین بیزاری کیا ہوگی اور اب تو یہ باتنی عام ہو چکی ہے کہ اخلاقیات کے بڑے مدعی اس میں مبتلا ہیں۔

بربادی گلشن کی خاطر بس ایک ہی الو کافی تھا

ہر شاخ پر الو بیٹھا ہے انجام گلستاں کیا ہوگا

ہماری حالت تو ان لوگوں سے بھی بدتر ہے جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے:

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَا لِحَبِيْبِهِ أَوْ قَاعِيْدًا أَوْ قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ كَانٌ لِّمْ يَدْعَا إِلَىٰ ضُرِّ مَسَّةٍ كَذَلِكَ رُتِبَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُوْنَ -

”اور جب پہنچے انسان کو تکلیف پکارا ہم کو پڑا ہوا یا بیٹھا ہوا یا کھڑا ہو جب کھول دیں اس سے وہ تکلیف چلی جائے، گویا کبھی نہ پکارا تھا ہم کو کسی تکلیف پہنچنے پر۔ اسی طرح پسند آیا ہے بیباک لوگوں کو جو کچھ کر رہے ہیں یعنی انسان اول بیباکی سے عذاب طلب کرتا ہے اور برائی اپنی زبان سے مانگتا ہے مگر کمزور اور بودا اتنا ہے کہ جہاں ذرا تکلیف پہنچی گھبرا کر ہمیں پکارنا شروع کر دیا۔ جب تک مصیبت رہی کھڑے بیٹھے، لیئے ہر حالت میں خدا کو پکارتا رہا، پھر جہاں تکلیف ہٹائی گئی سب کہا سنا بھول گیا۔ گویا خدا سے کبھی واسطہ نہ تھا وہی غرور و غفلت کا نشہ۔ وہی اکڑفوں رہ گئی۔ جس میں پہلے مبتلا تھا۔ حدیث میں ہے کہ تو خدا کو اپنے پیش و آرام میں یاد رکھ خدا تجھ کو تیری ختی اور مصیبت میں یاد رکھے گا۔ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ کسی وقت خدا کو نہ بھولے ختی پر مبرا اور فراموشی پر خدا کا شکر ادا کرتا رہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی توفیق مومن کے سوا کسی کو نہیں ملتی۔“ (تفسیر عثمانی)

ڈاکٹر احسان اللہ فہد فلاحی

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا نظریہ عدل (یونانی فکر، عیسائیت اور اسلام کا تقابلی مطالعہ)

محکم اسلام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۷۰۳-۱۷۶۳ء) کا تصور عدل ان کے تصورات و اتفاقات سے پوری طرح مربوط ہے۔ عدل پر کوئی گفتگو کرنے کے لیے ضروری ہے کہ نظریہ 'ارتفاقات' کی تشریح سامنے رہے، کیوں کہ عدل و انصاف کا یہ نظام ارتفاق سوم ہی کے ذریعہ وجود میں آتا ہے۔ قانونی اور سیاسی پہلوؤں کے علاوہ ولی اللہی نظریہ عدل کا اہم تر پہلو اس کا سماجی و روحانی تصور ہے۔ شاہ صاحب کا نظریہ عدل ان کے ذہن کی اوج نہیں ہے۔ عدل و انصاف کا تصور کم و بیش انسانی معاشرے میں ہمیشہ رہا ہے۔ عظیم یونانی مفکرین افلاطون اور ارسطو نے اس کی شجہ اول رکھی، جس سے عیسائیت متاثر تو ہوئی، مگر اس نے سماجی عدل کا کوئی نظام قائم نہیں کیا۔ رسول اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں سماجی عدل کا بھرپور تصور، جس میں قرآن و سنت کو بنیاد بنایا گیا تھا، اپنے وسیع ترین اطراف و جہات کے ساتھ پوری طرح نافذ ہوا۔ تاریخ اسلام میں شاہ ولی اللہ غالباً پہلے مفکر ہیں جنہوں نے اسلام کے اس سماجی انصاف کی عمرانیاتی توجیہ بڑے مدلل انداز میں اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغۃ میں کی۔ بعد میں دور جدید کے احیائے اسلام کے علم بردار دانش وروں اور مصلحین مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور سید قطب شہیدؒ نے شاہ ولی اللہ سے بھرپور اکتساب کیا اور اسلامی نظریہ عدل کی ترجمانی و تشریح میں بعض پہلوؤں سے اہم اضافے کیے۔

فکر یونانی میں عدل کا مفہوم

مغربی مصنفین نے عام طور پر عدل کے تصور کا بانی یونانی مفکر اور فلسفی افلاطون کو قرار دیا ہے۔ اس نے اپنی مثالی مملکت کی بنیاد محض انصاف پر رکھی ہے۔ اس کے خیال میں انسان کے افکار و نظریات کو اس وقت تک درست نہیں قرار دیا جاسکتا، جب تک کہ اس میں صداقت اور انصاف کے عناصر موجود نہ ہوں۔ کسی بھی معاشرہ کے لیے صحت مندی، خوش حالی اور باہمی امداد کی بنیاد پر استوار زندگی گزارنا اسی وقت ممکن ہے جب کہ اس کے سب سے زیادہ انصاف کا حق حاصل ہو، کیوں کہ انصاف حقائق کو پانے اور ان کے حقوق کو سمجھانے کا سب سے اعلیٰ ذریعہ ہے۔

تصور عدل کی وضاحت کرتے ہوئے افلاطون نے ریاست کو ایک جسم سے تعبیر کیا ہے اور لکھا ہے کہ جس طرح انسان کے جسمانی اعضاء ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور اس قدر ہم آہنگ ہیں کہ پورے جسم کے کسی ایک عضو کے کسی حصے میں ذرا سی تکلیف ہو جائے تو پورے جسم کو اس کا درد محسوس ہوتا ہے، اسی طرح ریاست ایک جسم اور افراد اس کے اعضاء ہیں۔ اگر معاشرہ میں کسی ایک فرد کو کوئی تکلیف ہو تو لازماً پورے معاشرے کو اس کا احساس ہونا چاہیے اور اس تکلیف کو دور کرنے کے لیے وسائل بروئے کار لانے چاہئیں۔ انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جسم کو آرام پہنچانے کے لیے اس کے تمام اعضاء کی نگہداشت کی جائے اور ان کو صحت مندرکھا جائے۔ ۲۔

افلاطون نے سوسائٹی کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اولیت فلاسفہ کو حاصل ہے۔ دوسرے درجے میں فوجی صلاحیت کے حامل افراد ہیں اور تیسرے درجے کے افراد وہ ہیں جو پیشہ ور یا مزدور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان تینوں میں اگرچہ بعض طبقے کچھ مراعات سے محروم کر دیے گئے ہیں، مثلاً مزدور کو کوئی حق نہیں کہ وہ فوجی امور میں دخل دے اور کسی فوجی کو بادشاہ بننے کی تمنا بھی نہ کرنی چاہیے، لیکن جہاں تک انصاف کا تعلق ہے اس کا حصول ان سب کے لیے اسی طرح یکساں طور پر ضروری ہے جس طرح زندگی گزارنے کے لیے خوراک۔

اس نظریہ انصاف کے مطابق معاشرہ کے ہر طبقہ کو حصول انصاف کے لیے خود کوشش کرنی چاہیے اور یہ کوشش اسی وقت کامیاب ہو سکتی ہے جب کہ ہر طبقہ کے افراد کو اپنے اپنے فن میں مکمل مہارت حاصل ہو۔ بہ صورت دیگر ان کو کسی دوسرے سلوک کا حق دار گردانا جائے گا۔ کیوں کہ جرم ضغنی کی سزا دینا بھی انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ اس لیے زندگی کو بہتر سے بہتر انداز میں گزارنے کے لیے اور اپنے حقوق کو مناسب ترین انداز سے حاصل کرنے کے لیے لازم ہے کہ ہر شخص اپنے فرائض منصبی کو پوری استعداد اور کامیابی سے سرانجام دے۔ ان فرائض کی تکمیل نہ کرنے سے اگر کسی شخص کو کوئی نقصان اٹھانا پڑتا ہے تو یہ انصاف کے عین مطابق ہے۔ ۳۔

ارسطو کا نظریہ انصاف کسی حد تک اپنے استاد افلاطون کی تائید کرتا نظر آتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ انصاف کی بنیاد اخلاق ہے۔ قانون بنیادی، قدرتی اور اخلاقی ہوتے ہیں اور انصاف یہی ہے کہ ریاست کا ہر فرد اپنے فرائض منصبی کو بہ انداز احسن ادا کرتا رہے اور قانون یا انصاف کے توڑے جانے کی نوبت ہی نہ آئے۔ اس نے افلاطون کے نظریات پر کچھ اضافہ کیا ہے۔ وہ انصاف کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ (۱) قابل تقسیم (۲) اصلاح کن۔ قابل تقسیم انصاف کے بارے میں اس کا خیال ہے کہ یہ انصاف ہر ایک فرد، سیاسی جماعت اور حکومت کے ساتھ اس کی قدر، قیمت اور مقام کے مطابق کیا جاتا ہے۔ مثلاً جمہوریت میں اس کی بنیاد شرح پیدائش پر، چندسری حکومتوں میں امارت پر اور اشرافیہ میں نیکی کی کثرت پر ہوگی۔ اس قابل تقسیم انصاف کا مقصد یہ ہے کہ ہر شخص حکومت کے لیے اپنے فرائض خلوص نیت سے ادا کرتا رہے اور افراد کے حقوق و فرائض کو اگر ترازو سے تو لا جائے تو کوئی پلڑا بھاری یا ہلکا نہ رہے۔